ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

فقہ اسلامی کا تاریخی ارتقاء اور عصر حاضر میں شرعی ادلہ کی اہمیت (ایک تحقیقی مطالعہ)

THE HISTORICAL DEVELOPMENT OF ISLAMIC JURISPRUDENCE AND THE SIGNIFICANCE OF SHAR‘I EVIDENCES IN THE CONTEMPORARY ERA (A RESEARCH-BASED STUDY)

Dr Hafiz Muhammad Rehan
Assistant Professor Govt Dyal Singh Graduate College Lahore
hafizqudratullahuet@gmail.com
Dr Hafiz Qudratuallah
Assistant Professor University of Engineering and Technology Lahore
hafizrehan320@gmail.com

Abstract:

Islam is a universal religion that emphasizes not only worship and beliefs but also provides comprehensive guidance for all aspects of human life—individual, collective, social, economic, legal, and political. The practical manifestation of this divine guidance is found in the science of Islamic jurisprudence (Fiqh), which organizes, systematizes, and codifies the details and specificities of Islamic law (Shari‘ah).Islamic jurisprudence is not merely a collection of legal rulings and commands; rather, it is an extensive intellectual and scholarly system. It has drawn upon the Holy Qur'an, the Sunnah of the Prophet (peace be upon him), the ijtihād (independent reasoning) of the Companions, the insight and understanding of the Successors (Tābi‘īn), and the legal opinions of the renowned jurists (Imams). Through this rich foundation, it offers guidance for every dimension of human life. The historical evolution of Islamic jurisprudence has passed through various phases of Islamic history, emerging as a structured intellectual legacy that not only serves religious purposes but also manifests Islam's practical guidance in civil, social, and political spheres.

The development of Islamic jurisprudence began in the simple society of the early Islamic period, continued through the intellectual flourishing of the Abbasid era, witnessed the formation of different schools of thought, saw the compilation and codification of Fiqh under the Ottoman Empire, and eventually encountered new challenges under colonial influence. In every age, new issues emerged, and jurists responded by deriving rulings in the light of Shar‘i evidences. This tradition of ijtihād has remained the hallmark of Fiqh, ensuring its intellectual vitality and practical relevance across generations.The foundational sources of Islamic jurisprudence are known as adillah shar‘iyyah (Shar‘i evidences), which include the Holy Qur'an, the Sunnah of the Prophet (peace be upon him), the consensus (ijmā‘) of the Muslim community, analogical reasoning (qiyās), and other subsidiary sources. These sources provided jurists with the tools to derive legal rulings, enabling Islamic law to remain both strong in foundation and flexible in application—effectively addressing changing circumstances throughout history.Today, the world is confronted with unprecedented developments in modern science, technology, the global economic system, social media, biological research, artificial intelligence, and various other contemporary challenges. In such a context, the importance of Islamic jurisprudence and its foundational sources has increased manifold. This era calls not merely for blind adherence (taqlīd), but for renewed ijtihād, academic inquiry, and exploration of fresh intellectual avenues. Providing solutions to modern issues in the light of Shar‘i evidences is a pressing need of our time so that Islamic jurisprudence may continue to fulfill its practical and philosophical role in the modern world.Against this backdrop, this article seeks to examine the historical development of Islamic jurisprudence and highlight the significance of Shar‘i evidences in the contemporary era. This study will not only help in understanding the rich legacy of Islamic Fiqh but will also illuminate the possibilities for Shar‘i guidance in addressing the complex issues of our time.

Keywords: Historical Development, Islamic Jurisprudence, Significance, Shar‘i Evidences, Contemporary Era, Islamic Law

اسلام ایک آفاقی دین ہے جو نہ صرف عبادات اور عقائد پر زور دیتا ہے بلکہ انسان کی انفرادی، اجتماعی، معاشرتی، اقتصادی، قانونی اور سیاسی زندگی کے تمام پہلوؤں کو ایک مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر منظم کرتا ہے۔اس دین کی تعلیمات کا عملی اظہار فقہ اسلامی کے علم میں ہوتا ہے، جو شریعت اسلامیہ کی جزئیات اور تفصیلات کو منظم، مرتب اور مدون انداز میں پیش کرتا ہے۔فقہ اسلامی محض احکام و قوانین کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ایسا وسیع علمی اور فکری نظام ہے جس نے قرآن مجید، سنتِ نبوی، صحابہ کرام کے اجتہادات، تابعین کی فہم و فراست، اور ائمہ مجتہدین کی آراء کی بنیاد پر انسانی زندگی کے ہر گوشے کے لیے رہنمائی فراہم کی ہے۔اس کا ارتقاء تاریخِ اسلام کے مختلف

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

ادوار سے گزرتے ہوئے ایک منظم علمی سرمایہ کی صورت میں ہمارے سامنے آیا ہے، جو نہ صرف مذہبی بلکہ تمدنی، سماجی اور سیاسی میدانوں میں بھی اسلام کی رہنمائی کا عملی مظہر ہے۔ فقہ اسلامی کا ارتقائی سفر صدرِ اول کے سادہ معاشرے سے شروع ہو کر عباسی دور کے علمی عروج، مختلف فقہی مکاتب فکر کی تشکیل، سلطنت عثمانیہ کی فقہی تدوین، اور بعد ازاں نو آبادیاتی اثرات کے تحت درپیش چیلنجز تک پھیلا ہوا ہے۔ ہر دور میں نئے مسائل پیدا ہوئے اور ہر زمانے کے فقہاء نے شرعی دلائل کی روشنی میں ان مسائل کا حل پیش کیا۔ یہی اجتہادی طرزِ فکر فقہ اسلامی کی فکری تازگی اور عملی افادیت کا ضامن رہا ہے۔ اسلامی فقہ کی بنیاد جن شرعی دلائل پر قائم ہے، انہیں ادلہ شرعیہ کہا جاتا ہے۔ ان میں قرآن مجید، سنت رسول، اجماع امت، قیاس اور دیگر ضمنی ذرائع شامل ہیں جن کی مدد سے فقہاء نے شرعی احکام اخذ کیے۔ ان ادلہ کی بدولت اسلامی قانون کی بنیادیں مضبوط اور لچکدار رہیں، جو مختلف حالات اور تغیرات کے باوجود عصر بہ عصر نافذ العمل اور مؤثر رہیں۔ آج جب دنیا جدید سائنس، ٹیکنالوجی، عالمی اقتصادی نظام، سوشل میڈیا، حیاتیاتی تحقیقات، مصنوعی ذہانت اور دیگر غیر روایتی چیلنجز سے دوچار ہے، تو ایسے میں فقہ اسلامی اور اس کے اصولی ذرائع کی اہمیت کئی گنا بڑھ چکی ہے۔ یہ زمانہ صرف تقلید کا نہیں بلکہ اجتہاد، تحقیق اور نئی فکری جہات تلاش کرنے کا متقاضی ہے۔ شرعی دلائل کی روشنی میں جدید مسائل کا حل پیش کرنا وقت کی ضرورت ہے تاکہ اسلامی فقہ اپنے عملی و نظری کردار کو برقرار رکھ سکے۔ اسی پس منظر میں یہ مضمون فقہ اسلامی کے تاریخی ارتقاء کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ عصر حاضر میں شرعی ادلہ کی اہمیت کو واضح کرنے کی کوشش کرے گا۔ یہ مطالعہ نہ صرف فقہی میراث کو سمجھنے میں مدد دے گا بلکہ عصرِ حاضر کے مسائل کے لیے شرعی رہنمائی کے امکانات کو بھی اجاگر کرے گا۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سب سے بزرگ و برتر، اعلیٰ اور ارفع اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے اور اس ذات اقدس کے فرامین، کلمات و احکامات کا علم حاصل کرنا بھی باقی تمام چیزوں کے علم سے ارفع و برتر ہے اور پھر اس علم کے حصول کے ساتھ ساتھ اس کی حقیقت کا ادراک کرنا اور اس کی مکمل سوجھ بوجھ حاصل کرنا اور ذات باری تعالیٰ کے حکم کا مقصد اور اس کے تکلیفی احکامات شرعیہ پر فقاہت حاصل کرنا بھی یقیناً سب سے زیادہ نفع مند، شرف و فضل والا اور دنیا و آخرت میں جزاء کے اعتبار سے خیر و بھلائی والا ہو گا لہذا فقہی علوم کا درجہ دیگر علوم سے یقینا بلند ہو گا اور اس کے متعلقہ مباحث بھی نہایت بابرکت ہوں گی۔

فقہ کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

لفظ فقہ لغوی طور پر باب فقہ یفقہ سے مصدر ہے چنانچہ اس کا لغوی معنیٰ بیان کرتے ہوئے احمد حسن الزیات لکھتے ہیں :

لغتہ هو مصدر من باب فقہ يفقہ و هو العلم بالشيء والفهم لہ"[1]

لغوی طور پر یہ باب فقہ یعنی سمع سے مصدر ہے اور یہ کسی چیز کو جاننا اور اس کی سمجھ حاصل کرنا ہے۔

پھر اس لفظ الفقہ کے معنیٰ پر لغوی بحث کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں :

الفقہ العلم بالشيء والفهم، لہ غلب على علم دين لسيادتہ وشرفہ وفضلہ على سائر انواع العلم كما غلب النجم على الثريا وقد جعلہ العرف خاصا بعلم الشريعتہ وتخصيصها بعلم الفروع منها۔[2]

لفظ فقہ کسی چیز کو جاننا اور اس کی سمجھ حاصل کرنا ہے۔ دین کے علم پر اکثر استعمال ہوا کیونکہ یہ علم باقی تمام انواع پر سیادت، شرف اور برتری رکھتا ہے، جس طرح کہ لفظ نجم کا استعمال ثریا پر غالب آ گیا، اور عرف عام نے اس کو شریعت کے علم کے ساتھ اور اس کے فروعی احکام کے علم کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔

پس مذکورہ وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ کا لغوی معنیٰ جاننا اور سمجھنا ہے مگر عرف عام میں اس کو شریعت کے احکام اور ان کی فروغ وغیرہ کے علم پر اکثر استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا عرفی استعمال ہی اس کی اصطلاحی تعریف میں مدنظر رکھا گیا ہے۔

چنانچہ علم الفقہ کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے شیخ عبدالوهاب الخلاف لکھتے ہیں :

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يحذرون[3]

پس ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر بڑے گروہ میں سے ایک جماعت نکلے تاکہ وہ دین میں سوجھ بوجھ حاصل کریں اور جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ آئیں تو انہیں ڈرائیں تاکہ وہ عذاب سے بچ جائیں۔

---

[1] الابراہیم انیس، المعجم الوسیط ، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، 2016، ص34

[2] ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، مکتبہ دار النوادر، 2013، ج10، ص205

[3] سورۃ التوبہ 9:122

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :

تکون الطائفہ النافرہ من الحی اما للتفقہ واما للجھاد دفانہ فرض کفایہ علی الاحیاء وقال العوفي عن ابن عباس في طلق والایتہ : کان ینطلق من کل حي من العرب عصابة واتون النبي صلی وسلم کی فسالونہ عما یریدون من امر دینھم و یتفققھون فی دینھم وامرھم نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطاعتہ اللہ وطاعتہ رسولہ ویبعثھم الی قومھم بالصلاتہ و الزکاتہ فاذا رجعو الیھم یدعونھم الی السلام وینزرونھم النار ویبشرونھم بالجنہ۔"[4]

ہر قبیلے میں سے نکلنے والا گروہ ہو، چاہے وہ جہاد کے لیے نکلے یا دین میں فقاہت حاصل کرنے کے لیے نکلے، کیونکہ یہ قبائل پر فرض کفایہ ہے اور امام عوفی نے ابن عباس سے اس آیت کے متعلق روایت کیا انہوں نے فرمایا: کہ عرب کے قبائل میں سے چھوٹی ٹولیاں چلتی تھیں اور وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی امور کے متعلق سوال کرتے اور دین میں فقاہت حاصل کرتے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا حکم دیتے، اور انہیں اپنی قوم کی طرف بھیجتے اور انہیں نماز اور زکوۃ کی ذمہ داری دیتے، پھر جب وہ واپس جاتے تو لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے اور انہیں جہنم سے ڈراتے اور جنت کی بشارتیں دیتے تھے۔"

پھر علم فقہ اسلامی کے اصول ومبادی کے حصول کا ظلم بیان کرتے ہوئے امام ابراہیم بن موسیٰ الشاطبیؒ لکھتے ہیں :

لما کان الکتاب العزیز ھو کلیتہ الشریعة وعمدة الملة وکانت السنة راجعة في معناھا الیه کان لا بد لمرید اقتباس احکام ھذہ الشریعة والسنتہ اولی ماتفرع عنھما بطریق قطعی من الاجماع والقیاس۔"[5]

جب اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم ہی شریعت کے لیے بنیادی قاعدہ اور ملت اسلامیہ کی بنیاد ہے اور سنت اس کے معنی میں اس کی طرف لوٹنے والی ہے تو اس شریعت کے احکام کو حاصل کرنے کا ارادہ رکھنے والے پر لازم ہے کہ وہ

کتاب وسنت کو جانے اور اس کو بھی جو ان دونوں سے فرعی دلیل بنتی ہے جو کہ اجماع اور قیاس ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ فقہ اسلامی کے علم کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے اور جو شخص شریعت کے فقہی احکام جاننا چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ کتاب وسنت کی طرف رجوع کرے اور ان کے ارکان وفرائض کا بنیادی علم ضرور حاصل کرے۔

فقہ اسلامی کے ادوار:

فقہ اسلامی کا علم جس کی بنیاد شریعت اسلامیہ ہے کو عہد نبوی سے لے کر عصر حاضر تک مختلف ادوار ومراحل سے گزرنا پڑا اور شریعت اسلامیہ کے بنیادی سورسز کے ارتقاء اور مختلف ادوار میں ان کے احوال کا علم فقہ پر بھی براہ راست اثر پڑتا رہا چونکہ علم فق کا تعلق شرعی احکام کے فہم اور عملی زندگی میں ان کے انطباق سے ہے اس لیے کہا جاسکتا ہے فقہ اسلامی کے علم کا آغاز قرآن کے نزول اور بعثت نبوی کے آغاز سے ہی ہو گیا تھا

چنانچہ علم فقہ اسلامی کے ادوار کی تقسیم کرتے ہوئے دکتور عبدالوھاب الخلاف لکھتے ہیں:

قسمنا العُھود التشریعِیَّة الْإِسْلَامِیَّة أَرْبَعَة أَقْسَامٍ :

- **الأول :** عَھْدُ الرَّسُولِ وَھُوَ عَھْدُ الْإِنْشَاءِ وَالتَّكْوِينِ وَمُدَّتُهُ سَنَة وَأَشْهُرٍ مِنْ بِعْثَتِهِ إِلَى وَفَاتِهِ۔
- **الثانی:** عَهْدُ الصَّحَابَةِ وَهُوَ عَهْدُ التَّفْسِير والتكميلِ وَمُنْتُهُ ١٠ سنة مِنْ وَفَاةِ الرَّسُولِ إِلَى أَوَاخِرِ الْقَرْنِ الْهِجْرِی الأول۔
- **الثالث:** عَهْدُ التَدْوِينِ وَالْأَعْمَةِ الْمُجْتَهِدِينَ وَعَهْدُ النَّمْوِ والنَّطْحِ التشريع ومدته ٢٥٠ سنة من سنة 100 إلى سنة٢٥٠ هجرية
- **الرابع:** عَهْدُ التَّقْلِيدِ وَهُوَ عَهْدُ الْجُمُوْدِ وَالْوُقُوْفِ وَقَدِ ابْتَدَأَ مِنْ أَوَاسِطِ الْقَرْن الهجری الرابع ولا يَعْلَمُ بِبَايَتَهُ إِلَّا الله۔[6]

اسلامی شریعت سازی کے علم کے ادوار کو ہم نے چار قسموں میں تقسیم کیا ہے:

---

[4] الدمشقی، حافظ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار الفکر، 2007، ص204

[5] الشاطبی ابراھیم بن موسیٰ الامام الموافقات اللہ طبعة خیریہ وزارۃ الشوؤن الإسلامیة، 2009

[6] الخلاف عبدالوھاب الشیخ تاریخ التشریع الإسلامی الطبعة السابعة المکتبة الإسلامیة استنبول ترکی، 1990، ص200

- **پہلی قسم:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور یہ نشو ونما اور شریعت کا تعمیراتی دور ہے اور اس کی مدت ۲۲ سال اور چند مہینے سے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر وفات تک۔
- **دوسری قسم:** صحابہ کا دور اور یہ دور کتاب وسنت کی تفسیر اور اس کی عملی شکل کو مکمل کرنے کا دور ہے۔ اور اس کی مدت 90 سال ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلی صدی ہجری کے آخر تک رہا۔
- **تیسری قسم:** علم فقہ کی تدوین وکتابت اور ائمہ مجتہدین کا دور ہے اور شریعت سازی کے پرورش پانے اور پختہ ہونے کا دور ہے جس کی مدت ۲۵۰ سال ہے اور یہ ۱۰۰ ہجری سے ۳۵۰ تک رہا۔
- **چوتھی قسم:** تقلید کا دور ہے اور یہ دور جمود اور تحقیق رک جانے کا دور ہے اور یہ چوتھی صدی ہجری کے درمیان سے شروع ہوا اور اس کی انتہاء کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

جبکہ علم فقہ اسلامی کے ادوار کا تذکرہ کرتے ہوئے دکتور وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں :

وَلَقَدْ بَدَأْتَ تَوَاةُ الْمَذَاهِبِ فِي عَهْدِ صِغَارِ الصَّحَابَةِ ثُمَّ فِي عَصْرِ التَّابِعِينَ اشْتَهَرَ فُقَهَاءِ الْمَدِينَةِ السَّبْعَةِ وَهُنَاكَ بيْنَ التَّابِعِينَ فَقَهَا، أَخَرُونَ كَثِيرُونَ فِي الْبِلادِ الإِسْلامِيَّةِ وَفِي أَوَّلِ الْقَرْنِ العالِي إلى منتصف القرن الرابع الهجري وَهُوَ الدور الذهبى لِلاجْتِهَادِ لَمَعَ فِي الْأني مُجْتَهِدُونَ دُونَتْ مَنَا هِبُهُمْ وَقُلَدَتْ أَرَءهُمْ فِي العُصُورِ الْمُتَأْخِرَةِ .[7]

اور البتہ صغار صحابہ کرام کے آخری دور میں مذاہب کی کمپنی کی ابتداء ہو گئی پھر تابعین کے دور میں مدینہ منورہ کے فقہاء سبعتہ بہت مشہور ہوئے اور دیگر اسلامی مراکز میں کئی فقہاء تابعین بہت بڑی تعداد میں مشہور ہوئے، اور دوسری صدی ہجری کے ابتدائی دور سے چوتھی صدی ہجری کے نصف دور تک بہت زیادہ فقہاء کرام منظر عام پر آئے اور یہ اور اجتہاد کے لیے نہایت سنہری دور ہے، افق میں ایسے بزرگ مجتہدین چھلکے جن کے مذاہب لکھے گئے اور آخری ادوار میں آنے والوں نے ان کی آراء کی تقلید کی۔

پس مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ فقہ اسلامی کی بنیادی ہیت تو کبار صحابہ کرام کے دور میں ہی واضح ہو گئی اور کتاب وسنت کے علاوہ علی ماخذ اجماع وقیاس کو بھی مد نظر رکھا جاتا تھا مگر صغار صحابہ میں اجتہاد کا دائرہ مزید وسیع ہوا اور اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں یہ بہت زیادہ پختہ ہو کر ہر اسلامی مرکز میں باقاعدہ وہاں کے کبار علماء کی آراء کی صورت میں منظر پر آنے لگا۔

مختلف ادوار میں علم فقہ کا ارتقاء:

علم فقہ کے ادوار کا تذکرہ کرنے کے بعد مناسب ہے کہ ان ادوار میں فقہ اسلامی کی حالت

اور درجہ بدرجہ اس کا ارتقاء بھی بیان کر دیا جائے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا دور:

یہ دور مختصر ۲۲ سالہ مدت پر مشتمل تھا لیکن اس میں فقہ اسلامی کے آثار بڑی شان وشوکت کے حامل تھے کیونکہ اس دور میں قرآن کریم کا نزول شروع ہو کر مکمل ہوا اور اس پر تھی، یہی وجہ ہے کہ شریعت سازی کی کامل بنیاد اس دور میں مہیا کر دی گئی چونکہ عہد رسالت دو حصوں پر مشتمل رہا، عہد کی وعہد مدنی لہٰذا قرآن کریم میں مکی سورتیں عقائد وایمانیات، اخلاقیات اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے علاوہ قرآن رسالت اور اسلام کی حقانیت پر مشتمل تھیں اور شرعی احکام جن کا عملی زندگی سے تعلق ہو ان کا بہت تھوڑا مداد ان میں مذکور ہوا البتہ مدنی دور میں عبادات، معاملات قوانین حدود اللہ، جرائم کا تعین اور سزائیں اور یاسی عدالتی اور دیگر اقوام کے ساتھ تعلقات کے تمام شرعی عملی عناوین مدنی سورتوں میں ذکر کئے گئے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین لینے اور اپنے مسائل وخصوصیات میں آپ صلی وسلم کے صحابہ کو حکم ماننے پر واضح ارشادات نازل کیے گئے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

---

[7] الزحیلی وھبہ الدکتور الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر دمشق الطبعۃ الثانیۃ، 2009، ج2، ص234

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَلًا مُّبِينًا [8]

اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقیناً وہ گمراہ ہو گیا، واضح گمراہ ہونا۔

کتاب و سنت پر غور کیا جائے تو عہد رسالت میں علم فقہ کے درج ذیل بنیادی اصول ملحوظ خاطر رکھے گئے۔

ا۔ تیسیر و تخفیف :

یعنی شرعی احکام مقرر کرنے اور اس کی تعین میں اس امت کے لیے آسانی اور تخفیف کا لحاظ رکھا گیا، تا کہ لوگ مشکلات اور تنگی کی وجہ سے حرج میں واقع نہ ہوں، چنانچہ روزوں کے احکام میں بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ [9]

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا يُرِيدُ اللهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٌ ۔ [10]

اللہ تعالیٰ نہیں ارادہ رکھتا کہ وہ تمہارے اوپر تنگی ڈال دے۔

پس مذکورہ بالا نصوص سے واضح ہوا کہ عہد رسالت میں شریعت سازی اور فقہی و قانونی احکام متعین کرنے میں آسانی تخفیف اور عدم حرج کو بنیادی طور پر مد نظر رکھا گیا۔

۲۔ شرعی احکام میں تدرج کا لحاظ:

پہلی شریعتوں میں تو تمام احکام و قوانین ایک دفعہ ہی لکھے ہوئے نازل کیے گئے مگر اس شریعت میں اس کے برعکس درجہ بدرجہ احکام نازل کیسے گیے۔ مثلاً شراب کا حکم تین مراحل میں آیا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَالْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا . [11]

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔"

پس اس آیت کریمہ میں ان کے ضلع و فوائد کا اعتراف کیا اور ساتھ ان کے گناہ اور برائی پر بھی متنبہ کر دیا۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلوةَ وَأَنْتُمْ سُكْرَى . [12]

اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔

---

[8] الاحزاب:۳۶

[9] البقرہ۲:۱۸۵

[10] المائدہ:۶

[11] البقرہ:۲۱۹

[12] النساء:۴۳

اس آیت کریمہ میں اس کی قباحت اور عبادات میں نشے کا قتل اور رکاوٹ ہونا بیان کر کے شراب کو قابل نفرت بنادیا، پھر آخر میں شراب کی حرمت کا قطعی حکم نازل کر دیا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَنِ فاجتنبوه لعلكم تفلحون ۔[13]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور شرک کے لیے نصب کردہ چیزیں اور فال کے تیر سراسر گندے ہیں، شیطان کے کام سے ہیں، سو اس سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

پس مذکورہ بالا مثال سے واضح ہوا کہ عہد رسالت میں تشریع کا عمل حکیمانہ انداز میں درجہ بدرجہ کیا گیا تاکہ جاہلی معاشرے سے اسلام کی طرف آنے والی قوم اسے قبول کرنے اور عمل اختیار کرنے میں کسی آزمائش سے دوچار نہ ہو۔

۳۔احکام و قوانین کی تقلیل :

یعنی شرعی احکام اور قوانین کی بھرمار کرنے کی بجائے جامع قوانین واحکام تھوڑی تھوڑی مقدار میں لوگوں کو دیے گئے تاکہ اکثر ان پڑھ لوگ دین کو سمجھنے اور اس کو قبول کرنے سے عاری نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ نمازوں کی فرضیت پھر زکوۃ اور روزوں کی فرضیت نازل کی اور اس کے ساتھ جہاد صالح، قیدیوں اور نقیمتوں کے مسائل سکھائے حتی کہ حج کا فریضہ بالکل آخر دور میں نازل کیا۔ علاوہ ازیں قلت نصوص اور اصولوں میں جامعیت کے ساتھ شرعی احکام مقرر کیے گئے اور ساتھ ساتھ مکلف ہونے اور عمل کی طاقت ہونے کا بھی سکھایا گیا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لا يكلف اللّٰہ نفسا آلا وسعها۔[14]

اللہ تعالیٰ کسی جان کو نہیں مکلف بناتا مگر اس کی طاقت کے مطابق۔

اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يريد اللّٰہ ان يخفف عنكم۔[15]

اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے۔"

پس ان نصوص قرآنیہ سے ثابت ہوا کہ عہد رسالت میں قلت تکلیف کا بہت زیادہ لحاظ رکھ کر فقہی احکام مقرر کیے گئے۔

۴۔شریعت سازی میں لوگوں کی مصلحت کا لحاظ:

چونکہ قرآن کریم کا نزول مکی و مدنی ادوار میں تھوڑا تھوڑا کر کے ہوا تو یہ اسی لیے تھا کہ لوگوں کی حاجات مصلحتوں اور ان کے لیے پیش آمدہ مشکلات کا لحاظ رکھا جائے۔ کتاب وسنت میں کئی احکام میں ناسخ و منسوخ تغیر احکام اور بہتر کی طرف تعدیل اسی وجہ سے ہوا، جیسا کہ قبلہ کی تبدیلی، بیوہ عورت کی عدت ایک سال اور پھر چار ماہ دس دن مقرر کرنا پہلے قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرنے سے ممانعت اور پھر اس کی اجازت دینا، پس یہ شیخ جنبد یلی اور احکام میں تعدیل اس بات پر واضح دلیل ہے کہ شریعت نے لوگوں کی مصلحتوں کا لحاظ رکھا اور انہیں نقلی سے آسانی اور خوب سے خوب ترین کی طرف رہنمائی دی جو کہ انسانیت پر شریعت اسلامیہ کا عظیم احسان ہے۔

صحابہ کرام کا فقہی دور:

صحابہ کرام کا دور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شروع ہوتا ہے اور اس کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1. اکبار صحابہ کا دور

[13] المائدہ:۹۰

[14] البقرہ:۲۸۶

[15] النساء:۲۸

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

2. صفار صحابہ کا دور

ا۔ کبار صحابہ کا دور:

اس سے مراد خلفاء راشدین کا دور ہے جو ۴۰ ہجری تک رہا اور خلفاء راشدین اربعہ کے علاوہ دیگر کبار صحابہ کی بڑی تعداد بھی اس دور میں موجود تھی۔

کبار صحابہ کے دور میں فقہی احکام کے حل اور استنباط پر بحث کرتے ہوئے امام جوینی لکھتے ہیں :

رَأَيْتُ الصَّحَابَةَ فِي الصَّدْرِ الأَوَّلِ تُلِم بهم الحَوَادِثُ وَمُشْكَلاتُ الأَحْكامِ فِي الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ فَكَانُوا يَلْتَمِسُونَ فِيهَا أَخْبَارًا عَنِ الرَّسُولِ وَإِذَا رُوِيَ لَهُمْ تَسَرَعُوا إِلَى الْعَمَلِ بِهِ .[16]

میں نے صحابہ کرام کے بارے دیکھا ہے کہ پہلے دور میں جب ان کو حادثات یا حلال و حرام کے مسائل میں مشکلات پیش آتیں تو وہ ان چیزوں کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر و حدیث تلاش کرتے اور جب ان کے روایت کر دی جاتی تو وہ اس پر عمل کے لیے جلدی کرتے۔

حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنھم اجمعین کا معمول یہ تھا کہ جب بھی کوئی مسئلہ در پیش ہوتا تو اسے قرآن میں گر حدیث میں بھی نہ ملتا تو اہل علم صحابہ سے مشورہ کرتے، پھر وہ سب جس نکتے پر متفق ہو جاتے تو اس کے مطابق فیصلہ صادر کرتے تھے۔[17]

علاوہ ازیں ابو بکر و عمر کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ پہلے کتاب اللہ میں دیکھتے اس کے بعد سنت نبوی میں دیکھتے اگر مل جاتا تو فیصلہ کر دیتے اور اگر نہ ملتا تو لوگوں سے سنت نبوی کے بارے سوال کرتے کہ کسی کے علم میں اس مسئلے پر نبی کا فرمان حکم یا فیصلہ ہو تو وہ خبر دے اور اگر خبر مل جاتی تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے اور اگر نہ ملتی تو بزرگ اہل علم سے مشورہ کرتے، چنانچہ جعفر نے کہا کہ مجھے میمون بن مہران نے خبر دی کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہا کے کتاب وسنت سے مسئلہ حل کرتے اور اگر خود نہ یاد رکھتے تو لوگوں سے سنت و حدیث کا سوال کرتے اور کوئی حدیث مل جانے پر اسی کے مطابق فیصلہ کرتے پھر عمر کا عمل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَابِ كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَعْيَاهُ أَن تَجِدَ فِي القُرْآنِ وَالسُّنَّةِ نَظَرَ هَلْ كَانَ لَا بِي بَكْرٍ فِيهِ قَضَاءُ فَإِن وَجَدَ آبَا بَكْرٍ قَضَى فِيْهِ بِقَضَاءٍ قَطَى بِهِ وَإِلَّا دَعَارُؤُوسَ الْمُسْلِمِينَ وَعُلَمَاءَهُمْ فَإِذَا اجْتَمَعُوا عَلَى الْأَمْرِ قَطَى بَيْنَهُمْ .[18]

بے شک عمر بن خطاب بھی یہی عمل کرتے تھے پس اگر انہیں یہ بات تھکا دیتی کہ وہ قرآن وسنت میں پائیں تو دیکھتے کہ اس مسئلہ میں ابو بکر نے کوئی فیصلہ کیا تھا اور اگر ابو بکر کا کوئی فیصلہ پا لیتے تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے اور اگر نہ پاتے تو مسلمانوں کے بزرگان اور علماء بلاتے اور ان سے مشورہ کرتے ہیں جب وہ کسی معاملے پر اکٹھے ہو جاتے تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیتے۔

پس مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ خلفاء راشدین اور بزرگ صحابہ کا تھی اسلوب یہ تھا کہ کسی بھی پیش آمدہ مسئلہ کے حل کے لیے کتاب وسنت کی طرف ہی رجوع کیا جائے اور اگر خود نہیں بھی جانتے تو دیگر علماء و کبار صحابہ سے پیش آمدہ مسئلہ پر رہنمائی اور دلیل حاصل کر لی جائے، چنانچہ جو بھی شکل ہوتی ہر صورت میں یہی بات متفق علیہ تھی کہ ہر مسئلے کا حل اور ہر قضیے کا فیصلہ کتاب وسنت کی رو سے ہی حل کیا جائے۔

۲۔ صغار صحابہ کا دور:

یہ دور ۴۱ھ سے شروع ہوتا ہے اور پہلی صدی ہجری کے آخر تک چلتا ہے اور یہ دور چونکہ خلافت راشدہ سے متصل تھا اور اس میں بہت سارے احادیث کے حفاظ صحابہ لیے وقت تک زندہ رہے جن میں چند مشہور نام یہ ہیں۔

- ابو ھریرہ
- سیدہ عائشہ صدیقہ
- عبداللہ بن عمر
- عبداللہ بن عباس
- عبد اللہ بن مسعود

---

[16] الجوینی عبدالملک بن عبداللہ امام الحرمین التلخیص فی اصول اللہ دار الدوائر الاسلامیۃ بیروت، 1998، ص 333

[17] الفقہ الحدیث ۷۳/۱

[18] البیقی، السنن الکبری، کتاب آداب القاضی ۱۰ / ۱۱۳ وسندہ صحیح

- عبداللہ بن عمرو ہ
- جابر بن عبداللہ
- انس بن مالک

اور یہ تمام لوگ ایسے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست علم حاصل کیا اور اس کے بعد خلفاء راشدین کا زمانہ بھی پایا اور یہ لوگ علم وفتوی کے حوالے سے بڑی پہچان رکھنے والے نام تھے لہذا اس دور میں علم فقہ کو بڑی وسعت علی اور پھر اس دور میں یہ بھی ہوا کہ اکثر وبیشتر صحابہ خلافت راشدہ کے بعد مدینہ منورہ سے دیگر اسلامی شہروں اور علاقوں میں جا بسے اور وہاں جا کر علم پھیلا یا اور فقہاء وتابعین کی ایک بڑی جماعت تیار کی۔

چنانچہ اس دور کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عمران شہزادہ لکھتے ہیں :

عہد صحابہ میں چونکہ کتاب وسنت ہی احکام کا مرجع تھا اور قیاس کی ضرورت بہت کم پیش آتی تھی، اس لیے قیاس یا رائے کے متعلق زیادہ بحث وتمحیص اور اختلاف وجود میں نہ آیا لیکن وقت لمبا ہونے کے ساتھ ساتھ اس دور میں مسائل کی کثرت کے باعث قیاس کی ضرورت زیادہ پیش آئی۔[19]

مگر یہ لوگ اجتہاد اور قیاس میں بھی کتاب وسنت اور خلفاء راشدین کے سنہری دور سے رہنمائی لیتے اور قیاس کرتے۔ انہیں بنیادی دلائل کتاب وسنت اور کبار صحابہ کے اجماع واجتہاد سے میسر آتے لہذا ان کے اجتہاد میں خطا نہ ہوتی۔ چنانچہ ان کے اجتہاد پر مثال میں ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا لیکن اس کا حق مہر مقرر نہ کیا اور پھر اس سے ہم بستری کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا تو ابن مسعودؓ نے عورت کے لیے مہر شکل کا فتوی دیا اور فرمایا اگر یہ فیصلہ صحیح ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔ یہ فیصلہ سن کر اس مجلس میں موجود صحابی معقل بن سنان اشجعی نے کہا: آپ نے وہی فیصلہ کیا ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق اشجعیہ کے لیے کیا تھا یہ سن کر عبداللہ بن مسعود اتنے خوش ہوئے کہ پہلے کبھی اتنے خوش نہ ہوئے۔[20]

پس مذکورہ مثال سے واضح ہوا کہ ان کا اجتہاد ان کے پختہ علمی اور احتیاط کی وجہ سے بالکل حق کے قریب ترین ہوتا تھا۔ اور اگر بغور تجزیہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر صحابہ کرام کا دور کتاب وسنت کی نصوص پر فقہی قواعد بنانے، قانون سازی کرنے عملی تشریح اجاگر کرنے اور اجتہاد کا اسلوب متعین کرنے کے لیے بہترین مثالی دور تھا۔

چنانچہ اس نکتے پر بحث کرتے ہوئے دکتور عبدالوھاب الخلاف لکھتے ہیں:

هَذَا العَهْدُ عَهْدُ التَفْسِيرُ النَّشْرِيني وَفَتْح أَبْوَابِ الْإِسْتِنْبَاطِ فِيمَا لَا نَصَ فِيهِ مِنَ الْوَقَائِعِ، فَإِنَّ رَؤُوسَ الصَّحَابَةِ صدْرَكَ عَنْهُمْ أَرَاء كَثِيرَةٌ فِي تَفْسِيرِ نُصُوصِ الْأَحْكَامِ فِي الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ تَعَدُّ مَرْجَعًا تَمرِ يُعِيًّا لِتَفْسِيرِهَا وَتَبِينَهَا وَصَدْرَت عَنْهُمْ فَتَاوَى كَثِيرَةٌ بِأَحْكَامِ فِي وَقَائِعَ لَا نَصَ فِيهِمَا تُعْتَبَرُ أَسَاسًا لِلاجْتِهَادِ وَ الْإِسْتِنْبَاطِ .[21]

یہ دور شریعت سازی کی تفسیر کا اور حالات وواقعات کے جن مسائل میں نص نہیں تھی میں استنباط کے ابواب کو کھولنے کا دور تھا کیونکہ بزرگ صحابہ سے کتاب وسنت کے احکام کی نصوص کی تفسیر میں کئی آراء صادر ہوئیں جو ان کی تفسیر اور وضاحت کے لیے تشریعی مربع شمار کی جاتی ہے اور غیر منصوص واقعات جن کے بارے نص موجود نہیں تھی ان کے احکام کے متعلقہ کئی فتاوی صادر ہوئے جو آئندہ اجتہاد اور استنباط مسائل کے لیے بنیاد شمار کیے گئے۔

3۔ تابعین کا فقہی دور:

یہ دور پہلی صدی ہجری کے آخر میں یا تیس سالوں سے شروع ہو کر قریب ۱۳۰ تا ۱۵۰ ہجری تک ہے۔ چونکہ صحابہ کرام کی بہت بڑی تعداد خلافت راشدہ یعنی کبار صحابہ کے دور سے ہی کتاب وسنت کی تعلیم، اجتہاد اور افتاء وقضاء میں مشغول تھی لہذا ان کی شبانہ روز محنت کے نتیجے میں ان کے تلامذہ کی بہت بڑی تعداد علماء وفقہاء تابعین کی تیار ہو گئی اور فتوحات بلاد کے بعد صحابہ کرام مدینہ منورہ سے نکل کر دیگر بڑے بڑے شہروں میں جیسے دمشق، کوفہ، بصرہ پھر مصر وفلسطین، یمن وغیرہ میں آباد ہوئی اور وہاں پر کتاب وسنت کی تعلیم کا فریضہ ادا کیا لہذا حجاز سے باہر تمام مرکزی شہروں میں ان کے فقہاء تلامذہ کی بہت بڑی تعداد تیار ہو گئی اور اس طرح سے پہلے دور یعنی

---

[19] فقہ الحدیث ۱/۷٦

[20] ابوداؤد رقم الحدیث ۲۱۱۳ وسندہ صحیح

[21] تاریخ التشریع الاسلامی ص: ۲۹٦

صحابہ کرام کے مجموعی دور کا علمی ورثہ علماء فقہاء تابعین کرام میں منتقل ہوا اور صحابہ کرام کے دور کے بعد یہ دور بہترین تھا جس کے متعلق رسول اللہ لی لی ایم کے کئی احادیث میں ارشادات موجود ہیں۔

چنانچہ زھدم بن مضرب کہتے ہیں کہ میں نے عمران بن حصین کو سنا وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ سلیم نے فرمایا :

خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ .[22]

بہترین لوگ میرے دور کے ہیں پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے اور پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔

چنانچہ مدینہ منورہ میں علماء صحابہ میں سے لمبی عمر پانے والے یعنی ۶۰ سنہ ہجری یا اس کے بعد رہنے والوں میں سے تین بزرگ صحابہ تھے۔ام المؤمنین عائشہ، عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ لہذا مدینہ منورہ میں ان کے بہت سارے شاگرد تابعین تیار ہوئے۔

آئمہ مجتہدین کا فقہی دور:

اس دور کا آغاز دوسری صدی ہجری کے اوائل سے ہوا اور یہ دور قریبا ۳۵۰ ہجری تک رہا۔اس دور میں کثرت فتوحات کے باعث اسلامی سلطنت دنیا کی سب سے بڑی سلطنت تھی اور اسلام ایشیا کے طول و عرض سے نکل کر افریقہ اور یورپ میں بھی پہنچ چکا تھا اور اس دور کی تمام متمدن دنیا کے بڑے حصے پر غالب آپ کا تھا لہٰذا مسلمانوں کا دیگر اقوام سے اختلاط ہوا، علاوہ ازیں کئی محدثین فقہاء نے ایسی کتابیں جمع کیں جن میں حدیث، اقوال و فتاوئی صحابہ، اقوال و فتاوی تابعین و تبع تابعین تک جمع کر دیئے گئے تو ایسی کتب علم فقہ اسلامی کے مواد کے لیے نہایت اہمیت کی حامل تھیں، چنانچہ اس قسم میں امام شافعی کی کتاب الام، ابن عبد البر کی الاستذکار مصنف ابن ابی شیبہ مصنف عبدالرزاق اور سنن البیہقی الکبری وغیرہ نمایاں مقام رکھتی ہیں۔

تقلید و مناظرہ اور اس کی تردید کا دور:

چوتھی صدی ہجری کے بعد مختلف اسالیب میں علم فقہ اسلامی کے اھل جانے کے بعد امت مسلمہ میں مختلف فقہی مسالک کی تقلید اور اس کے لیے بحث و مناظرہ کا دور شروع ہوا جو تا حال جاری ہے البتہ اس دور میں تین طرح کے لوگ منظر عام پر آئے اول وہ لوگ جنہوں نے اپنے اپنے مسلک کے علماء کی تقلید کو ہی لازم خیال کی اور اس کے اصول و دلائل پر کتب لکھی گئیں۔

چنانچہ اس دور کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں :

اعْلَمْ أَنَّ النَّاسُ كَانُوا قَبْلَ المِائَةِ الرَّابِعَةِ غَيْرُ مُجْمِعِينَ عَلَى التَّقْلِيدِ الخَالِصِ لِمَذْهَبِ وَاحِدٍ بِعَيْنِهِ وَبَعْدَ القَرْنَيْنِ حَدَثَ فِيهِمْ شَيْءٌ مِنَ التَّخْرِج غَيْرَ أَنَّ أَهْلَ المِائَةِ الرَّابِعَةِ لَمْ يَكُونُوا مُجْتَمِعِينَ عَلَى التَّقْلِيدِ الخَالِصِ عَلَى مَذْهَبٍ واحِدٍ وَالتَّفَقُّولَهُ وَالْحِكَايَةِ لِقَوْلِهِ كَمَا يَظْهَرُ مِنَ التَّتَبُّع .[23]

جان لو کہ لوگ چوتھی صدی سے پہلے کسی معین مذہب کی تقلید پر اکٹھے نہیں تھے،البتہ دوسری صدی کے بعد تخریج و تحقیق کے اسلوب کے حوالے سے ان میں تبدیلی رونما ہوئی مگر چوتھی صدی تک لوگ کسی ایک مذہب کی تقلید پر اکٹھے نہیں تھے،اور نہ ہی کسی ایک مذہب کی فقہ حاصل کرنا،اسے روایت کرنا پایا جاتا تھا جیسا کہ تتبع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔

مذکورہ عبارت سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام،تابعین اور تبع تابعین کے دور تک اگرچہ فقہی آراء اور مختلف اجتہادی اسالیب مشہور ہو چکے تھے مگر ان میں کسی ایک مذہب کی تقلید کا رجحان نہیں تھا،اس کے بعد تیسری اور چوتھی صدی میں تبدیلی واقع ہوئی اور لوگوں نے تخریج و تحقیق اور فقہی اسلوب و نہج میں بہت کچھ بدل دیا مگر اسلامی شرائع اور فقہی احکام کی تعلیم اور عوام الناس کا اسے حاصل کرنا عموما کتاب و سنت پر ہی مشتمل تھا، پھر بعد کے دور میں پہلے پہل صرف نسبتی نام مشہور ہوئے اور بعد ازاں وہ باقاعدہ تقلیدی مسلک بننا شروع ہو گئے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ اس صورت حال پر لکھتے ہیں :

فَكَانَ لَا يَتَوَلَّى الْقَضَاء وَلَا الإفتاء إِلَّا تَجْعَيدٌ وَلَا يُسَمَّى الْفَقِيهِ إِلَّا مُجْتَيَدًا ثُم بَعْدَ هَذِهِ القُرُونِ كَانَ نَاسٌ اخْرُوْنَ ذَهَبُوا يمينًا وَشِمَالًا وَحَدَثَ فِيهِمْ أَمُورٌ مِنْهَا الْجَدْلُ وَالْخِلافُ فِي عِلْمِ الْفِقْهِ.[24]

---

[22] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۶۵۱

[23] حجۃ اللہ البالغہ، ۱/ ۱۵۲

پس قضاء کا عہدہ یا فتویٰ دینے کی ذمہ داری صرف مجتہد لیتا تھا، اور ہر فقیہ آدمی مستند کہلاتا تھا، پھر اس کے بعد کے ادوار میں کئی ایسے لوگ اٹھے جو دائیں، بائیں چلے گئے اور ان لوگوں میں کئی نئے امور پیدا ہو گئے جن میں سے باہم مسائل میں جھگڑنا اور فقہی علم میں دوسرے سے جدا راستہ اختیار کرنا شامل تھا۔

مذکورہ بالا عبارات نے سے واضح ہوا کہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری تک علوم فقہ پروان چڑھتے گئے اور اس دور میں مجتہدین علماء کرام عدالتوں میں منصب قضاء اور مدارس و مساجد میں دار الافتاء کی ذمہ داریاں نبھاتے تھے، اور اس کام میں کسی خاص فقہ یا مکتبہ فکر اور مسلک کا حامل ہونا قطعا مد نظر نہیں ہوتا تھا، بلکہ اسلامی فقہ کے اصول و قوانین، شرعی احکام و مسائل اور کتاب و سنت کی نصوص کا فہم اور علم و ادراک ہی معتبر ہوتا تھا، نیز لوگ بھی نسبتوں سے بالاتر ہو کر فاضل علماء و فقہاء کرام سے علم حاصل کرتے تھے

چنانچہ اس دور میں مختلف النوع فقہی اسالیب پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ حامد الحضر کی لکھتے ہیں :

كَثْرَةُ الْمُجْتَهِدِينَ وَتَنُوعُ طَرَائِقِهِمْ فِي الْإِجْتِهَادِ وَ الْإِسْتِنْبَاطِ دَعَاهُمْ إِلَى تَحْصِيلِ الْقَوَاعِدِ وَالقَوَانِينِ الَّتِي تَتَّخُلُ أساسا الاسْتِنْبَاطِ الْأَحْكَامِ وَيَحْصُلُ الاطمينان من السير مع الأَهْوَاءِ وَالأَعْرَاضِ وَقَدْ اسْتَعَانُوا فِي تَحْصِيلِ هَذِهِ الْقَوَاعِدِ وَالقَوَانِينِ بِاسْتِقْراء الاستعمالاتِ الشَّرْعِيَّةِ وَالْأَسَالِيبِ الْعَرْبِيَّةِ .[25]

مجتہدین کی کثرت اور اجتہاد میں ان کے راستوں کی انواع نے انہیں ایسے قواعد و قوانین کی طرف بالا یا جو احکام اخذ کرنے کے لیے بنیاد قرار دیے جائیں۔ اور خواہشات و مقاصد پر چلنے میں بھی اطمینان حاصل ہو، اور ان قواعد و قوانین کی حصول میں انہوں نے شرعی استعمالات اور عربی اسلوب سے مدد حاصل کی۔

پس مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہوا کہ تقلید و مناظرے کا یہ دور امت مسلمہ کے اکثر و بیشتر لوگوں کو حق سے نابلد کرنے اور شخصی و گروہی تقسیم میں بٹ جانے کا باعث بنا اور پھر اس دور میں حالات یہ بن گئے کہ حق بات پیش کرنے والا اجنبی نگاہ سے دیکھا جانے لگا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ بات قرب قیامت کے لے بنائی تھی۔ چنانچہ ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بدأ الإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ فَتُونِي لِلْغُرَبَاءِ .[26]

اسلام شروع ہوا تو اجنبی حالت میں تھا اور عنقریب وہ لوٹے گا جیسے شروع ہوا تو اجنبیوں کے لیے خوشخبری ہے۔

پس مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ فقہ اسلامی کا علم مختلف ادوار اور مراحل پر مشتمل رہا ہے اور دور حاضر میں بھی اس کے لیے خدمات کے امکانات و مواقع موجود ہیں تاکہ اس فرقہ واریت، عوام الناس کے مابین منافرت اور تقلیدی جمود کی وجہ سے تعصب و انتشار کے دور میں لوگوں کو اتحاد امت کا راستہ دکھایا جائے اور سلف صالحین کے اسلوب وسیع کو اختیار کر کے فقہ المقارن کی طرف عملی رہنمائی مہیا کی جائے۔

فقہ اسلامی کے ماخذ

فقہ اسلامی کے بنیادی ماخذ دو ہیں:

1. قرآن کریم
2. حدیث نبوی

لفظ قرآن قرا یقرء سے مصدر ہے اور اس کا لغوی معنی پڑھنا اور جمع کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے مناع القطان لکھتے ہیں :

قرأ تَاتي بمعنى الْجَمْعِ وَالضَّمَّ والقراءة هم الحُرُوفِ وَالْكَلِمَاتِ بَعْضِهَا إِلى بَعْضٍ فِي التَّرْتِيلِ وَالقُرْآنُ فِي الأَصْلِ كَالْقِرَاء لِمَصْدَرُ قَرَأَ فَهُوَ مَصْدَرٌ عَلَى وَزْنِ فَعْلَانِ۔[27]

لفظ قرآء جمع کرنے اور ملانے کے معنی میں آتا ہے اور قرامت کا معنی بعض حروف اور کلمات کو ملا کر ٹھہراؤ کے ساتھ پڑھتا ہے اور قرآن اصل میں قراءۃ کی طرح باب قرا کا مصدر ہے جو کہ فعلان کے وزن پر آتا ہے۔"

---

[24] حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۳

[25] الحضری حامد الحافظ، زبدۃ القول فی علم الاصول ص: 19 مرکز البخاری للتراث والتحقیق صادق آباد پاکستان، 2017

[26] صحیح مسلم کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۲۳۲

[27] القفطان مناع الخلیل الشیخ مباحث فی علوم القرآن، ص (۲۰۱۵) مکتبۃ المعارف العاشر والتوزیع الریاض ۱۴۲۱ھ

پھر اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

هُوَ كَلامُ اللهِ الْمُنَزِّلُ عَلَى مُحَمَّدٍ الْمُتَعَيَّدُ بِتِلاوَتِهِ .[28]

وہ اللہ تعالی کا ایسا کلام ہے جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور اس کی تلاوت کے ساتھ عبادت کی جاتی ہے۔

اگر تصور کیا جائے تو یہ تعریف احترازی ہے کیونکہ کلام اللہ کہ کر دیگر تمام کلام کی نفی کر دی گئی اور "المنزل" کہہ کر دیگر کلمات الٰہیہ کی نفی کر دی گئی جو اللہ کی شان اور تعریف کے تھے اور اعلی محمد کہ کر دیگر آسمانی کتب کی نفی کر دی گئی اور المتعبد بتلاوت سے احادیث قدسیہ کو خارج کر دیا گیا کیونکہ قرآن کریم کی تلاوت کا نماز میں حکم ہے اور نماز میں صرف قرآن کی قراءت کی جاسکتی ہے حدیث قدی وغیرہ کی نہیں۔

قرآن کریم کی حجیت:

فقہ اسلامی کا سب سے اول اور بنیادی ماخذ ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور قرآن کریم حق اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے والی کتاب ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

قَالُوا يَقَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتبًا أُنزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِ وإلى طريق مُسْتَقِيمٍ۔[29]

انھوں نے کہا اسے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک ایسی کتاب سنی ہے جو موسی کے بعد نازل کی گئی ہے، اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے ہے، وہ حق کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔"

پھر قرآن کریم کے قلعی حجت ہونے پر بات کرتے ہوئے دکتور عبدالوھاب الخلاف لکھتے ہیں :

الْبُرْهَانُ على أن القرآن حجةٌ عَلَى النَّاسِ وَأَنْ أَحْكَامَهُ قَانُونَ وَاجِبٌ عَلَيْهِمْ إِنْبَاعَدَ أَنَّهُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَأَنَّهُ نُقِلَ الَيْهِمْ عَنِ اللهِ نظريي قطعي لَا رَيْبَ فِي عِيهِ أَنَّمَا الْبُرْهَانَ عَلَى أَنَّهُ مِنْ عِندِ اللهِ فَهُوَ الْجَارُهُ النَّاسَ عَنْ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِهِ .[30]

اس بات پر واضح دلیل کہ قرآن کریم لوگوں پر دلیل ہے اور یہ کہ اس کے احکام ایسا قانون ہیں جس کی پیروی ان پر واجب ہے اس کا اللہ تعالی کی طرف سے ہوتا اور ایسے قطعی راستے سے ان کی طرف منتقل ہوتا جس میں کوئی ایک نہیں ہے اور اس بات پر دلیل کہ یہ اللہ کی طرف سے ہی ہے یہ بات ہے کہ اس نے لوگوں کو اپنی مثل لانے سے عاجز کر دیا۔"

یہ تعریف فقہاء اور اصولی باحثین کے ہاں مشہور و مقبول ہے۔ جبکہ محدثین نے سنت کی تعریف مفصل اور جامع ومانع کی ہے اور اس میں تقریبا تمام زندگی اور سیرت کے امور کا بھی احاطہ کر دیا گیا ہے چنانچہ دکتور مصطفی السباعی لکھتے ہیں :

السُّنَّةُ فِي اصْطِلاحِ الْمُحَدِّثِينَ مَا أَثِرَ عَنِ النبي ﷺ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِيرٍ أَوْ صِفَةٍ خَلْقِيَّةٍ أَوْ خَلْقِيَّةٍ أَوْ سِيْرَةٍ سواءٌ كَانَ قَبْلَ الْبِعْثَةِ أَوْ بَعْدَهَا .[31]

محدثین کی اصطلاح میں "سنت" وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قول فعل، تقریر، یا خلقی اور پیدائشی صفت یا سیرت سے متعلق نقل کیا گیا ہو، پھر برابر ہے کہ وہ بعثت سے پہلے یا بعد کی کوئی بات نقل کی گئی ہو۔

مذکورہ بالا تعریفات پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ محدثین نے تمام زندگی اور نبوت کے بعد یا پہلے کے تمام امور کو سنت میں شمار کیا ہے اور رسول اللہ علی ایم کی تمام زندگی کے متعلقہ کسی بھی امر کو حدیث شمار کر کے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے اور اس سے شرعی احکام اور فقہی مسائل اخذ کرنے کی بناء پر اسے سنت قرار دیا ہے جبکہ اصولی اور فقہاء حضرات نے اس میں تمام زندگی کو مد نظر نہیں رکھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوی زندگی میں آپ کے قول فعل اور تقریر کو سنت قرار دے کر باقاعدہ شرعی ماخذ کے طور پر حوظ رکھا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

---

[28] مباحث فی علوم القرآن، ص: ۱۷

[29] الاحقاف: ۳۰

[30] علم اصول الفقہ، ص: ۲۴

[31] السباعی مصطفی الدکتور، السنتہ و مکانتھا فی التشریع الاسلامی ص ۴۷ ۱۳۷۵ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۵

حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِلَ إِلَيْهِمْ ۔[32]

اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے واضح کریں اس بات کو جو ان کی طرف اتاری گئی۔

اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَتكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ، وَمَا نَهَكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۔[33]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے تمہیں روکیں اس سے رک جاؤ۔

پس مذکورہ بالا دونوں آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وحدیث کے شرعی ماخذ ہونے کی واضح دلیل ہیں نیز اس عنوان پر زیر نظر مقالہ کے باب اول میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فقہ اسلامی کے ماخذ:

جیسا کہ پچھلی مبحث میں فقہ اسلامی کے دور اول یعنی عہد نبوی کا تذکرہ گزر چکا ہے تو اس دور میں یہ دونوں بنیادی ماخذ ہی مد نظر رکھے جاتے تھے قرآن کریم کے نزول سے مسئلہ حل کیا جاتا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان، فیصلے یا عمل اور تقریر سے رہنمائی لی جاتی تھی۔

چنانچہ اس نکتے پر بحث کرتے ہوئے عبدالوھاب الخلاف لکھتے ہیں:

كان التشريع في عَهْدِ الرَّسُولِ مَصْدَرَانِ: الوحي الإلهِي وَاجْتِهَا دَ رَسُولِ الله .[34]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں شریعت سازی کے لیے دو مصدر تھے: وحی الہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد مذکورہ بالا وضاحت سے ثابت ہوا کہ حدیث نبوی کا شریعت سازی میں مصدر ہونا قرآن کریم کے استنباط، بیان اور تشریح وتفسیر کے عین مطابق ہے اور اگر اس بات کو قبول نہ کیا جائے تو پھر قرآن کریم کے امت سارے احکام ادھورے، نا قابل عمل اور نا قابل فہم وہدایت رہ جاتے ہیں۔

عہد صحابہ میں فقہ اسلامی کے مآخذ:

جیسا کہ سابقہ مبحث میں کبار صحابہ کرام کا تشریعی وفقہی اسلوب وسیع بیان کیا جا چکا ہے تو اس سے یہ بات واضح ہو چکی کہ ان کے نزدیک فقہی احکام کے لیے کتاب وسنت ہی بنیادی ماخذ تھے اور وہ اسی کے ساتھ تے، البتہ کتاب وسنت سے نصوص نہ ملنے کی صورت میں وہ کبار علماء کے ساتھ مشاورت کرتے اور کسی شرعی اصول کی بناء پر باہم متفق ہو جاتے تو ان کے ہاں کتاب وسنت کے علاوہ کئی احکام ومسائل کے استنباط میں وہ قیاسکرتے اور شرعی نصوص میں اجتہاد کر کے مسئلہ حل کرتے، چنانچہ صحابہ کرام کے دور میں شرعی بنیادی ماخذ پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالوھاب الخلاف لکھتے ہیں۔

كانت مَصَادِرُ التَّشْرِيعِ فِي هَذَا الْعَهْدِ فَلَاقَةُ : القُرْآنُ وَالسُّنَّةُ وَاجْتِهَادُ الصَّحَابَةِ .[35]

اس دور صحابہ میں شریعت سازی کے مصادر تین تھے قرآن وسنت اور صحابہ کرام کا اجتہاد یعنی قیاس۔"

علاوہ ازیں صحابہ کا کئی مسائل پر اجماع ہوا جو ثابت شدہ ہے تو گویا کہ اس دور میں بنیادی ماخذ دہ تھے قرآن وسنت اور ذیلی ماخذ بھی دو ہی رہے اجماع صحابہ اور در اجتہاد اور اجتماعی یا انفرادی، جس کو اصطلاحی طور پر قیاس کہا جاتا ہے۔

اگر شرعی ادلتہ کی مباحث کو بغور دیکھا جائے تو ان کی تقسیم دو طرح سے کی گئی ہے اولا اس طرح کے اسلامی فقہ کے اساسی ماخذ دو ہیں: قرآن مجید اور سنت نبوی اور ذیلی ماخذ مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے کم یا زیادہ ہیں۔ مجموعی طور پر ان کی تعداد نو (۹) تک پہنچ جاتی ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

- اجماع

---

[32] النحل: ۴۴

[33] الحشر: ۷

[34] تاریخ التشریع الاسلامی، ص: ۲۸۶

[35] تاریخ التشریع الاسلامی، ص: ۲۹۹

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

- اقوال صحابہ
- قیاس
- استحسان
- استصحاب
- مصالح مرسلہ
- سدالذرائع
- عرف
- پہلی شریعتوں کے احکام

چنانچہ ادلتہ شرعیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ محمد بن حسین الجیرانی لکھتے ہیں :

الآدلۃُ الشَّرْعِيَّةُ الْمُتَّفَقُ عَلَيْهَا عِندَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ أَرْبَعَةٌ وَهِيَ : الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ وَالإِجماع وَالْقِيَاسُ وَالْأَدِلَّةُ الشَّرْعِيَّةُ الْمُخْتَلَفُ فِيهَا سِتَّةٌ وَفِي الْاسْتِصْحَابُ وَالْاسْتِحْسَانُ وَقَوْلُ الصَّحَابِي وَشَرْعُ مَنْ قَبْلَنَا وَالْمَصَالِحُ الْمُرْسَلَةُ وَالْعُرْفُ۔[36]

اہل السنۃ والجماعتہ کے نزدیک متفق علیھا شرعی ادلتہ چار ہیں، قرآن، سنت، اجماع اور قیاس، اور شرعی ادلتہ جن میں اختلاف کیا گیا ہے وہ اچھے ہیں۔ استصحاب، استحسان، صحابی کا قول پہلی شریعتیں، مصالح مرسلہ اور عرف۔

اجماع کا لغوی معنی:

لفظ اجماع باب افعال سے مصدر ہے چنانچہ اس کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے ابن منظور افریقی لکھتے ہیں۔

لغۃً هُوَ مَصْدَرٌ مِنْ أَجْمَعَ يُجْمَعُ بمعنى الْعَزمِ كَمَا فِي الْحَدِيثِ وَيمَعْنَى الإِنْفَاقِ كَمَا يُقَالُ: أَجْمَعَ الْقَوْمُ عَلَى كَذَا أَتَى اتَّفَقُوا .[37]

لغوی طور پر یہ باب اجتماع سے مصدر ہے اور عزم و پختہ ارادہ کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ حدیث میں استعمال ہوا ہے اور اتفاق کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ حدیث میں استعمال ہوا ہے اور اتفاق کے معنی میں آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ لوگوں نے فلاں چیز پر اتفاق کیا۔

اصطلاحی تعریف:

اجماع کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے امام شوکانی لکھتے ہیں :

هُوَ اتفَاقُ الْمُجْتَهِدِينَ فِي عَصْرٍ مِنَ الْعُصُورِ عَلَى حُكْم شَرْعِي بَعْدَ وَفَاةَ النَّبِي بِدَلِيل .[38]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی بنیادی دلیل کے ساتھ کسی شرعی حکم پر مختلف ادوار میں سے کسی دور میں مجتہد فقھاء کا اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔

اجماع کی حجیت:

جب کوئی اجماع تعریف کے عین مطابق مذکور و شرائط پر پورا اترے تو وہ شرعی دلیل ہوتا ہے اس کے درج ذیل دلائل ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعُ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ، وَسَاءَتْ مَصِيرًا)[39]

اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اس طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔"

[36]الجیزانی محمد بن حسین الشیخ، معالم اصول الفقہ ۱۰۱/۱۰ دار ابن الجوزی، بیروت ۱۴۳۶ھ

[37]لسان العرب ۲ / ۳۵۸

[38]الشوکانی محمد بن علی الامام ارشاد الفحول ۱ / ۲۵۸ دار المعرفۃ بیروت، س۔ن

[39]النساء:۱۱۵

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

پس مذکورہ آیت کریمہ میں سبیل المؤمنین کا تذکرہ کیا گیا ہے چنانچہ اس کی تفسیر میں امام شوکانی لکھتے ہیں :

وقَدْ اسْتَدَلَّ جَمَاعَةً مِن أَهْلِ العِلْمِ اهْذِهِ الآيَةِ عَلَى حُمِيَّةِ الاجماع .[40]

اور اہل علم کی ایک جماعت نے اس آیت سے اجماع کے حجت ہونے پر دلیل اخذ کی ہے۔"

پس مذکورہ توجیہ کی بناء پر اجماع کو اسلام کا حصہ اور اسے بھی کتاب وسنت کی دلیل کے طور پر ہی لیا جائے گا کیونکہ سبیل المومنین کی مخالفت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی لازم آتی ہے۔

سیدنا انس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن امتی لا تجتمع علی ضلالة .[41]

بے شک میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔

علاوہ ازیں اس حدیث کو امام ترمذی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا تجتمع هذه الأئمة على ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ .[42]

یہ امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہو گی اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

اس حدیث کی سند کا حکم ذکر کرتے ہوئے شیخ ناصر الدین البانی لکھتے ہیں :

قُلْتُ وَعِلَّتُهُ سُلَيْمَانَ الْمَدَى وَهُوَ ابْن سُفْيَانَ وَهُوَ ضَعِيفٌ لَكِنَّ الْجُمْلَةَ الأولى مِنَ الْحَدِيثِ صَحِيحَةٌ لَهَا شَاهِدٌ مِنْ حَدِيدِ ابْنِ عَبَّاسٍ الحَرجَهُ التَّرْمَلِي وَغَيْرُهُ بِسَنَةٍ صَحِيحٍ وَمِنْ حَدِيثِ أَسَامَةَ بْنِ شَرِيكَ عِندَ ابْنِ قَانِعَ فِي الْمُعْجَمِ .

میں کہتا ہوں کہ اس سند کی علت سلیمان المدنی ہے جو کہ ابن سفیان ہے اور وہ ضعیف ہے لیکن پہلا جملہ حدیث سے صحیح ہے، اس کا شاہد ابن عباس کی حدیث سے موجود ہے جس کو امام ترمذی نے روایت کیا اور اس کے علاوہ (ابوداؤد) نے بھی صحیح سند کے ساتھ روایت کیا اور اسامہ بن شریک کی حدیث سے ابن قانع کے پاس المعجم" میں شاہد ہے۔"

اجماع کی اقسام اور ان کا حکم:

اجماع کی اقسام اور ان کا حکم ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر عمران شہزادہ لکھتے ہیں :

اجماع کی دو قسمیں ہیں ۔

1. جماع صریح
2. اجماع سکوتی

- **اجماع صریح:** یہ ہے کہ تمام معتمد علما کسی مسئلے پر اس طرح متلق ہوں کہ وہ صراحتاً اظہار کریں یا فتوی دیں یہ قسم بالاتفاق حجت ہے۔
- **اجماع سکوتی:** یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ پیش کیا جائے تو چند اہل اجتہاد علماء اس پر متفق ہو جائیں جبکہ دیگر خاموش ہوں اور اس کی مخالفت نہ کریں، یہ اجماع حنابلہ کے نزدیک تنی ہے اور احناف کے نزدیک حجت ہے جبکہ امام مالک اور شافعی اس کو اجماع ہی تسلیم نہیں کرتے۔[43]

قیاس کی تعریف وتوضیح :

دوسری بڑی ذیلی یا تبعی دلیل قیاس ہے۔ چنانچہ اس کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے احمد حسن الزیات لکھتے ہیں :

مَصْدَرٌ مِنْ بَابِ قَاسٌ يَقِيسُ بمعنى المُسَاوَاةِ يُقَالُ فَايَسْتُ بَينَ شَيْتَينِ إِذَا قَادَرْتَ بَيْنَهُمَا كَمَا يُقَالُ فُلَانٌ يقَادِرُني .[44]

---

[40] الشوکانی محمد بن علی الامام، فتح القدیر ۱/ ۵۷۱ دار المعروفۃ، بیروت ۱۴۱۵ھ

[41] ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۳ وسندہ صحیح

[42] جامع ترمذی، کتاب الفتن، رقم الحدیث: ۲۱۶۷

[43] فقہ الحدیث ۱/۶۰

لفظ قیاس باب ضرب سے مصدر ہے اوراس کا معنی ہے برابری کرتا، کہاجاتاہے کہ میں نے دوچیزوں کو باہم پیمائش کرکے برابر کیا، جیساکہ کہاجاتاہے فلاں آدمی مجھ سے برابری کامطالبہ کرتاہے۔

اور قیاس کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے شیخ عبدالوہاب الخلاف لکھتے ہیں :

هُوَ الْحَاقُ وَاقِعَةٍ لَا نَصَ عَلَى حُكْمِهَا بِوَاقِعَةٍ وَرَدَ نَقُ بِحُكْمِهَا فِي الْحُكْمِ الَّذِي وَرَدَ بِهِ النَّقُ لِيَسَاوِي الوَاقِعَتَيْنِ فِي علَّةٍ هَذَا الحُكْمِ .[45]

ایساواقعہ جس میں نص نہ ہو کوایسے واقعہ کے ساتھ فقہی حکم میں ملحق کرنا جس میں شرعی نص ہواوراس کی وجہ دونوں واقعات میں حکم کی علت کا برابر ہوناہو۔"

قیاس کے ارکان:

قیاس کے چارارکان ہیں :

1. اصل
2. فرع
3. علت
4. حکم

حافظ حامد الحضرمی نے چاروں کی الگ الگ تعریفات ذکر کی ہیں۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

فَالْمُرَادُ بِالأَصْلِ هُنَا فَحل الحُكْمِ الَّذِي ثبت له الحكم بالنَّص وَالْحُكْمُ هُنَا اصْطِلاحًا هُوَ الْحُكْمُ الشَّرْعَى الثَّابِتُ لِلْأَصْلِ كَالْوُجُوبِ وَالتَّحْرِيمِ وَالْفَرْعُ إِصْطِلاحًا هُوَ الْمَحَلَ الَّذِي لَمْ يَرِدُ فِيهِ الحُكْمُ نَصًا وَيُقْصَلُ أن يُلْحَقَ بِالاصْل فِي حُكْمِهِ وَالْعِلَّةُ إِصْطِلاحًا: هُوَ الْوَصْفُ الظَّاهِرُ الْمُنضَبِطُ الَّذِي يَعْمَلُ عَلَى المَعْنَى الْمُناسب لِلْحُكم۔[46]

اوراصل سے مراد یہاں اس حکم کا محل ہے جس کے لیے نص کے ساتھ شرعی حکم ثابت ہوااور حکم سے مراد یہاں اصلاحا حکم شرقی ہے جو اصل کے لیے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ وجوب یا حرام ہونااور فرع سے مراد وہ محل ہے جس میں حکم واضح نص کے ساتھ وارد نہیں ہوااور علت سے مراد وہ ظاہری وصوف ہے جو حکم کے لیے مناسب معنی پر مشتمل ہو۔

قیاس کی حجیت: قیاس کی حجیت پر بحث کرتے ہوئے شیخ عبدالوھاب الخلاف لکھتے ہیں :

جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ قیاس شرعی طور پر حجت ہے اور تمام محلی احکام میں قیاس کرنادرست ہے۔اور یہ شرعی دلائل میں مرتبہ کے اعتبار سے چوتھے درجے پر ہے اس طرح کہ جب واقعہ میں نص یا اجماع کے ساتھ شرعی حکم نہ پایاجائے تومات مشترکہ ہونے پر یکم فرع پر لگایاجائے گااور حکم اس کا بھی شرعی حکم شمار کیاجائے گا۔[47]

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ قیاس ایک شرعی دلیل ہے جس کو درست پائے جانے پر قبول کیاجائے گااور باقی اولیہ کی طرح اس کے ساتھ بھی مسئلہ اخذ کیا جائے گا۔

استحسان کی تعریف اور محکم: الغوی اعتبار سے استحسان کا معنی ہے کسی چیز کو اچھا خیال کرنااور اس کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں:

ترك القياس الدليل القوى منه من كتاب اوليه او اجتماع ۔[48]

---

[44] المعجم الوسیط ۲/۸۱۷

[45] علم اصول الفقہ ص:۵۷

[46] زبدۃ النقول فی علم الاصول ص:۱۱۱۔۱۱۲

[47] علم اصول الفقہ ص:۵۹

[48] الوجیز ص:۳۲۰

قیاس کو کتاب وسنت یا اجماع کی کسی قوی دلیل کی وجہ سے ترک کر دینا استحسان کہلاتا ہے

نیز اس کے شرعی دلیل ہونے میں اختلاف ہے۔

کیونکہ اس کے معنی کو تعین میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ استحسان کا معنی ایک دلیل کو دوسری دلیل پر ترجیح دینا ہے اور دو دلیلوں میں سے رائج اور زیادہ قوی کو اختیار کرنا ہوتا ہے۔ پس یہ استحسان کی شکل بالاتفاق درست ہے اس کی تردید کوئی بھی نہیں کرتا اور دوسر معنی ہے کہ مجتہد اپنی عقل سے کسی چیز کو مستحسن قرار دے تو اس صورت میں یہ اپنے مزاج طبع اور خواہش کی پیروی کے مترادف ہو جاتا ہے۔

استصحاب کی تعریف اور حکم:

لفظ استصحاب باب استفعل سے مصدر ہے جس کا معنی صحبت اختیار کرنا یا دوسرے کا ساتھ طلب کرنا ہے۔

چنانچہ اس کے لغوی معنی پر محمد بن یعقوب فیروز آبادی لکھتے ہیں:

الاسْتِصْحَابُ لُغَةٌ : طَلَبُ الصُّحْبَةِ وَهِيَ الْمُلازَمَةُ۔[49]

استصحاب کا لغوی معنی ہے کسی چیز کی صحبت طلب کرنا اور اس سے مراد دوسری چیز کو لازم پکڑنا ہے۔

اور اس کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے علامہ ابن القیم لکھتے ہیں:

اخَذُ الْمُجْعَينِ بِالأَصْلِ عِنْدَ فَقَد الدليل الشرعي .[50]

شرعی دلیل کے نا ملنے کی صورت میں مجتہد کا کسی بھی چیز کی اصل کو پکڑ لینا استصحاب کہلاتا ہے۔

استصحاب کو جب مطلقاً ذکر کیا جائے تو اس سے مراد کسی چیز کو اصل حکم پر رکھنا ان چیزوں میں جن کا ثبوت اور نئی شریعت کے دلائل سے معلوم وثابت نہ ہو۔

نیز اس کی کئی انواع ہیں۔ چنانچہ استصحاب کی انواع اور ان کا حکم بیان کرتے ہوئے محمد بن حسین الجیزانی لکھتے ہیں:

صح أن يُجْعَل لِلاسْتِصْحَابِ انْوَاعٌ مُتَعَدِّدَةً مِنْهَا النوع الأول اسْتِصْحَابُ البراءة الأَصْلِيَّة أو اسْتِصْحَابُ دليلِ الْعَقْلِ وَهَذَا النَّوْعُ لَا خِلافَ فِي اعْتِبَارِهِ بَلْ جَعَلَهُ الْبَعْضُ مِنَ الأَدِلَّةِ الْمُتَّفَقِ عَلَيْهَا وَالنَّوْعُ الثَّانِي اسْتِصْحَابُ عُمُومِ النُّصُوصِ حَتَّى يَرِدَ الْخَصِيصُ وَالإِيفَافَى وَاقِع على حمةِ الْعَمَلِ بِهَذَا النَّوْعِ إِذِ الْأَصْلُ عُمُومُ النَّقِ وبَقَاءُ الْعَمَلِ بِهِ "[51]

صحیح ثابت ہے کہ استصحاب کے لیے متعدد قسمیں ہیں، ان میں سے پہلی قسم ہے کہ اصلی براءۃ کے ساتھ استصحاب یا عقلی دلیل کے ساتھ استصحاب اور یہ دو قسم ہے جس کے معتبر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ بعض علماء نے اسے ان دلائل میں شمار کیا ہے جن پر اتفاق کیا گیا ہے، اور دوسری قسم ہے کہ نصوص کے عموم کا استصحاب یہاں تک کی تخصیص وارد ہو جائے، اور اس قسم پر عمل کی درستگی پر بھی اتفاق پایا جاتا ہے کیونکہ اصل نص کا عموم اور اس کے مطابق عمل کا باقی رہنا ہی ہوتا ہے۔۔۔

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ استصحاب کی کئی انواع ہیں اور اس کی زیادہ تر انواع متفق علیہ میں صرف اجماع کے حکم کے ساتھ استصحاب میں اختلاف پایا جاتا ہے جمہور علماء کے نزدیک تو یہ قسم حجت ہی نہیں ہے البتہ بعض علماء نے اس صورت کو اثبات میں حجت مانا ہے جبکہ نفی میں انکار کیا ہے چنانچہ اس کے شرعی حکم پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر عمران شہزادہ لکھتے ہیں:

استصحاب جمہور علماء مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حجت ہے اور یہی بات رائج ہے جبکہ اختلاف صرف نفی میں استصحاب کو حجت مانتے ہیں اور جمہور علما نفی واثبات دونوں صورتوں میں اسے حجت مانتے ہیں۔[52]

عرف کی تعریف اور حکم:

عرف باب ضرب سے مصدر ہے اور اس کا معنی پہچان والا یا کس چیز ک عام پہچانو الا ہوتا۔ نیز اسکی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے شیخ عبدالوہاب لکھتے ہیں:

الْعُرْفُ مَا تَعَارَفَهُ النَّاسُ وَسَارُوا عَلَيْهِ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَرْكِ ..[53]

---

[49] الفیروز آبادی محمد بن یعقوب، القاموس المحیط/۱۰۹۵ دار الجیل بیروت، س۔ن

[50] اعلام الموقعین ۱/ ۲۵۵

[51] معاصم اصول الفقہ ۱ / ۲۱۰،۲۱۱

[52] فقہ الحدیث ۱/۶۵

عرف وہ ہے جس کو لوگ پہچانیں اور قول فعل یا ترک کرنے سے اس پر چلیں۔"

عرف کا شرعی طور پر حجت ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ .[54]

اور باپ پر ہے ان عورتوں کو رزق اور لباس طرف کے مطابق دینا۔

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے شیخ محمد بن صالح العثمین لکھتے ہیں :

قوله تعالىٰ (وَعَلَى الْمَوْلُودِلَة) اى على الزوج أو السيد رزقهن اى نفقتهن و كسون آى مَا يَكْسويه الإِنْسَانُ بَدَنَه بِالْمَعْرُوفِ اى رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتَهُنَّ بِمَا تَعَارَفَ النَّاسُ بَيْنَهُمْ عَلَيْهِ .[55]

اللہ تعالیٰ کا فرمان "جس کے لیے ہے اس سے مراد خاوند، لونڈی کا سردار وغیرہ ہے ان کا رزق سے مراد ان خواتین کو خرچہ دیتا ہے اور ان کو پہنانا" سے مراد وہ چیزیں ہیں جو انسان اپنے جسم کو پہناتا ہے معروف کے ساتھ سے مراد ہے کہ ان خواتین کو خرچہ اور ملبوسات اس طریقہ کے مطابق دیناضروری ے کے ساتھ معروف ہیں۔

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ عرف جب رشرعی نصوص کے معارض نہ ہو تو تمام عقود میں جیسے نکاح، طلاق، نان ونفقہ، خرچے کی تعیین وغیرہ اور کاروباری امور میں اس کا لحاظ رکھنا اور اس کے مطابق مجتہد کا فتوی دینا اور قاضی کا فیصلہ کرنا ضروری ہے۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں خاوند کو بیوی کا نان ونفقہ اور لباس وضروریات کا پابند بنایا ہے مگر اس کی مقدار مقرر نہیں کی بلکہ اس کو عرف پر چھوڑا ہے کہ رائج حالات، ماحول، طرز زندگی اور آمدن کے مطابق ہیوی اور بچوں کا خرچہ شوہر اور بانیز مطلقہ کا عمدت یا حالت حمل میں خرچہ بچے کی کفالت کی صورت میں اس کا خرچہ، کفارے کی ادائیگی میں درمیانے کھانے کا تعین، سفر میں قصر اور روزہ چھوڑنے کے لیے سرکی تعیین وغیر وتمام مسائل عرف پر چھوڑے گئے ہیں جس کے مطابق چلنا ضروری ہے۔

مصادر مراجع

1. القرآن الکریم
2. ابن الجوزی عبدالرحمن ابوالفرج، مناقب الامام احمد بن حنبل، مکتبۃ التانی ص۱۳۹۹ھ
3. ابن الصلاح عثمان بن عبدالرحمن، ادب المفتی وا مستفتی قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان ہیں۔ن
4. ابن القیم محمد بن ابی بکر الامام-اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۳ھ
5. ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ الحافظ التمہید لما في الموطا المعاني والاسانید دار احیاء التراث العربیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ الالبانی محمد ناصر الدین العلامۃ تخریج وتعلیق علی ھدایۃ الرواۃ دار ابن القیم مصر، ۱۴۲۲
6. البخاری محمد بن اسماعیل الامام صحیح البخاری دار الکتب العلمیۃ، بیروت الزیات، احمد حسن المعجم الوسیط احیاء التراث، استنبول، ترکی ہیں۔ن الدھلوی عبدالوھاب تسھیل درایۃ المؤطاء المطبعۃ السلفیۃ مکۃ المکرمۃ، ۱۳۵۱
7. الشاطبیؒ، ابراہیم بن موسیٰ الامام، الموافقات، طبعۃ خیریۃ وزارۃ شؤون الاسلامیۃ ۱۴۲۴ھ
8. الشوکانی محمد بن علی الامام البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع دار الباز مکۃ المکرمۃ، ۱۹۸۵ء العثیمین محمد بن صالح العلامۃ تفسیر القرآن الکریم، دار ابن الجوزی ۱۴۳۱ھ
9. القشیری مسلم بن الحجاج الامام صحیح مسلم ریاست ادارات الحوث العلمیۃ مکۃ المکرمۃ، ۱۴۰۰،
10. لقطان، مناع خلیل الشیخ، مباحث في علوم القرآن مکتبۃ المعارف النشر والتوزیع الریاض، ۱۴۲۱ھ

---

53 علم اصول الفقہ ص:۹۹

54 البقرہ:۲۳۳

55 تفسیر القرآن الکریم، حصہ سورۃ البقرہ ۳/۱۴۴

11. ترمزی محمد بن عیسی، ابو عیسی الامام بسنن الترمذی، قدیمی کتب خانہ کراچی، پاکستان ۲۰۰۱
12. حاجی خلیفہ مصطفی بن عبداللہ، کشف الظنون من اسامی الکتب والفنون دار الفرقان
13. دہلوی، ولی اللہ الشاہ، حمد اللہ البالغۃ المکتبۃ السلفیہ شیش محل لاہور، پاکستان، 2017
14. شہزادہ، عمران ایوب ڈاکٹر، فقہ الحدیث نعمانی کتب خانہ لاہور، ۲۰۰۴

References

1. Al-Qur'an
2. Ibn al-Jawzi, Abdur Rahman Abu al-Faraj. *Manaqib al-Imam Ahmad ibn Hanbal*, Maktabat al-Tani, 1399 AH.
3. Ibn al-Salah, Uthman ibn Abdur Rahman. *Adab al-Mufti wa al-Mustafti*, Qadeemi Kutub Khana, Karachi, Pakistan.
4. Ibn al-Qayyim, Muhammad ibn Abi Bakr al-Imam. *I'lam al-Muwaqqi'in 'an Rabb al-'Alamin*, Dar al-Fikr, Beirut, 1423 AH.
5. Ibn Abd al-Barr, Yusuf ibn Abdullah al-Hafiz. *Al-Tamhid lima fi al-Muwatta' min al-Ma'ani wa al-Asanid*, Dar Ihya al-Turath al-'Arabi, Beirut.
6. Al-Albani, Muhammad Nasir al-Din. *Takhrij wa Ta'liq 'ala Hidayat al-Ruwah*, Dar Ibn al-Qayyim, Egypt, 1422 AH.
7. Al-Bukhari, Muhammad ibn Isma'il al-Imam. *Sahih al-Bukhari*, Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, Beirut.
8. Al-Zayyat, Ahmad Hasan. *Al-Hajm al-Wasit*, Ihya al-Turath, Istanbul, Turkey.
9. Al-Dihlawi, Abdul Wahhab. *Tashil Dirayat al-Muwatta'*, Al-Matba'ah al-Salafiyyah, Makkah al-Mukarramah, 1351 AH.
10. Al-Shatibi, Ibrahim ibn Musa al-Imam. *Al-Muwafaqat*, Khairiyyah Edition, Ministry of Islamic Affairs, 1424 AH.
11. Al-Shawkani, Muhammad ibn Ali al-Imam. *Al-Badr al-Tali' bi Mahasin man ba'da al-Qarn al-Sabi'*, Dar al-Baz, Makkah al-Mukarramah, 1985 CE.
12. Al-'Uthaymin, Muhammad ibn Salih. *Tafsir al-Qur'an al-Karim*, Dar Ibn al-Jawzi, 1431 AH.
13. Al-Qushayri, Muslim ibn al-Hajjaj al-Imam. *Sahih Muslim*, Riyasa Idarat al-Hawth al-'Ilmiyyah, Makkah al-Mukarramah, 1400 AH.

14. Al-Laqqan, Manna‘ Khalil al-Shaykh. *Mabahith fi ‘Ulum al-Qur’an*, Maktabat al-Ma‘arif lil-Nashr wa al-Tawzi‘, Riyadh, 1421 AH.
15. Al-Tirmidhi, Muhammad ibn ‘Isa Abu ‘Isa al-Imam. *Sunan al-Tirmidhi*, Qadeemi Kutub Khana, Karachi, Pakistan, 2001.
16. Haji Khalifah, Mustafa ibn Abdullah. *Kashf al-Zunun ‘an Asami al-Kutub wa al-Funun*, Dar al-Furqan.
17. Al-Dihlawi, Shah Waliullah. *Hujjat Allah al-Balighah*, Al-Maktabah al-Salafiyyah, Shish Mahal, Lahore, Pakistan, 2017.
18. Shahzada, Dr. Imran Ayyub. *Fiqh al-Hadith*, Nu‘mani Kutub Khana, Lahore, 2004.